سورۃ البقرۃ (۲٦)

آیت ۳٦، ۳۷

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳، اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۲٦ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا
فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ
لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۳٦
فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ۳۷

© rasailojaraid.com

۲ : ۲۶ : ۱ اللغۃ

۲ : ۲۶ : ۱ (۱) [فَاَزَلَّهُمَا] یہ دراصل " فَ " (بمعنی پس / اس کے بعد) + " اَزَلَّ " (جس کے معنی ابھی بیان ہوں گے) + " ھما " (ضمیر منصوب بمعنی ان دونوں کو) کا مرکب ہے ۔

اس میں لفظ " اَزَلَّ " کا مادہ " ز ل ل " اور وزنِ اصلی " اَفْعَلَ " ہے ۔ یہ دراصل " اَزْلَلَ " تھا ۔ پھر لام کی حرکت فتحہ (ـَـ) ماقبل ساکن حرف (ز) کو دے کر دونوں " لام " مدغم کر دیے جاتے ہیں اور یوں لفظ " اَزَلَّ " بنا ۔

اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد " زَلَّ یَزِلُّ زَلَلاً " باب ضرب سے (آتا ہے) اور اس کے معنی ہوتے ہیں : " پھسلنا ، پھسل جانا " ۔ یعنی یہ فعل لازم ہے اس کا مفعول نہیں آتا ۔ البتہ جس چیز یا جگہ سے " پھسلے " اس کے ساتھ " عن " لگاتے ہیں مثلاً کہیں گے " زَلَّ عَنِ الصوابِ " (وہ درست بات سے پھسل گیا) ۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے صرف ایک صیغہ ماضی (البقرہ : ۲۰۹) اور ایک صیغہ فعل مضارع کا (النحل : ۹۴) وارد ہوا ہے ۔

© rasailojaraid.c

● زیرِ مطالعہ لفظ " اَزَلَّ " اس مادہ سے بابِ افعال کے فعل ماضی معروف کا پہلا صیغہ ہے ۔ اس باب سے فعل " اَزَلَّ ..... یُزِلُّ اِزلالاً " کے معنی ہیں : " ..... کو پھسلا دینا " اس لیے اس (اَزَلَّ) کا ترجمہ " ڈگایا ، ہلا دیا ، ہٹا دیا ، لغزش دے دی ، اکھاڑ دیا اور پھسلا دیا " کی صورت میں کیا گیا ہے جن سب کا مفہوم ایک ہے ــــ یہ فعل (اَزَلَّ یُزِلُّ) متعدی ہوتا ہے اور اس کا مفعول ہمیشہ بنفسہ (بغیر صلہ کے) آتا ہے ۔ جیسے یہاں " ازلھما " میں ضمیر منصوب " ھما " آئی ہے ۔ البتہ جس چیز یا جگہ سے پھسلا دینے یا ڈگانے کا ذکر کرنا ہو تو اس پر " عَنْ " کا صلہ لگتا ہے مثلاً کہیں گے " اَزَلَّهُ عَنْ .... " (اس نے اس کو .... سے پھسلا دیا) ۔

© rasailojaraid.c

(زیرِ مطالعہ آیت میں اسی لیے آ گئے " عَنْهَا " آ رہا ہے)۔ قرآن کریم میں اس مادہ سے بابِ افعال کا صرف یہی ایک صیغۂ فعل اسی ایک جگہ آیا ہے۔

[الشَّيْطٰنُ] کے مادہ ، وزن اور معنی وغیرہ کی مناسبت پر استعاذہ کی بحث میں بات ہوئی تھی (حکمت قرآن جون ۱۹۸۹ء ص ۴۹ تا ۵۱) ہم یہاں دوبارہ اس کا مختصراً ذکر کیے دیتے ہیں۔

یہ لفظ (شیطان) یا تو " شطَنَ يشطُنُ شطونًا " (نصر سے) بمعنی " بہت دور ہونا " سے " فَيْعَالٌ " کے وزن پر ہے ۔۔۔ یا پھر " شاط يشيط شيطًا (ضرب سے) بمعنی " برباد ہونا ، (غصہ سے) جل بھن جانا " ~~" فَعلان " کے وزن پر ہے~~ ۔

● لفظ " شیطان " (یہ اس کا رسم املائی ہے رسم عثمانی پر بعد میں بات ہوگی) اپنے عربی معنی کے ساتھ اردو (بلکہ بہت سی اسلامی زبانوں) میں مستعمل ہے اس لیے تمام مترجمین نے اس کا ترجمہ یہی (شیطان) کیا ہے ۔ اگرچہ یہ لفظ (خصوصاً بصورتِ نکرہ) اور اس کی جمع " شیاطین " متمرد اور سرکش بلکہ "سرکشوں کے وڈیرے" کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ تاہم زیرِ مطالعہ عبارت میں یہ لفظ (شیطان) بظاہر قصہ آدم میں مذکور " ابلیس " (البقرہ : ۳۴ یعنی ۲:۲۵:۱(۲)) میں) کے لقب یا صفاتی نام کے طور پر آیا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد جگہ اپنے لغوی اور اصطلاحی معنوں میں (دونوں طرح) استعمال ہوا ہے۔ موقع (سیاق و سباق عبارت) معنی کے تعین میں مدد دیتا ہے۔

۲:۲۶:۱(۲) [عَنْهَا] یہ حرف الجر (عَنْ) اور ضمیر مجرور " ها " (بمعنی " اس ") کا مرکب ہے۔

" عَنْ " ایک کثیر الاستعمال اور متعدد معانی دینے والا حرف الجر ہے۔ اس کا بنیادی مفہوم " کسی چیز سے دور جانے ، الگ ہونے ، ہٹنے ، جدا ہونے

© rasailojaraid.c

اور چھوڑ دینے " کا ہوتا ہے اور اس کے قریباً تمام استعمالات میں اس بنیادی مفہوم کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اردو میں اس کا عام ترجمہ (مِنْ کی طرح) "سے" ہی کر لیا جاتا ہے تاہم موقع استعمال کے لحاظ سے ان دونوں کے مفہوم میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اور خود "عَنْ" بھی مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں سے اہم اور زیادہ مشہور صورتیں حسب ذیل ہیں :

(۱) مجاوزہ یعنی کسی چیز یا جگہ کو چھوڑ کر آگے نکل جانے کا مفہوم ۔ اس صورت میں اس کا اردو ترجمہ "...... کو چھوڑ کر" سے کرنا مناسب ہوتا ہے۔ مثلاً "سافرَ عَنِ البلَدِ" (وہ شہر سے ۔ یعنی اسے چھوڑ کر ۔ چلا گیا) ۔ (۲) بدل اور عوض کا مفہوم ۔ اس کا اردو موزوں ترجمہ "کی بجائے ، کے بدلے" ہو سکتا ہے جیسے البقرہ ۴۸ میں ہے "لا تجزی نفسٌ عن نفسٍ" (کوئی کسی کے کام نہ آئے گا یعنی کسی کی سزا اس کی بجائے کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہوگی)۔ (۳) تعلیل یعنی سبب بتانے کا مفہوم ــــ اس صورت میں اس کا اردو ترجمہ "کی وجہ سے یا بسبب" کیا جا سکتا ہے مثلاً "اِلّا عَنْ موعِدَۃٍ ..... (التوبۃ : ۱۱۴) "یعنی ایک وعدہ کی وجہ سے ....." یا "..... عن قولِکَ ..... (ھود : ۵۳) یعنی تیرے کہنے پر" میں آیا ہے۔

(۴) استعلاء یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے اوپر قرار دینے کا مفہوم ــ اس کا مناسب اردو ترجمہ "...... کے مقابلے پر" ہو سکتا ہے جیسے (ص : ۳۲ میں) "...... عن ذکر ربی" (اپنے رب کی یاد کے مقابلے پر) میں آیا ہے ۔ (۵) بَعْدُ کے معنی میں جیسے عَنْ قَلیلٍ (تھوڑی دیر کے بعد) ہی سے "عَنْ قَرِیب" اردو میں بھی مستعمل ہے ۔ (۶) "بِ" یعنی "کے ساتھ" کے مفہوم میں جیسے "وما ینطقُ عن الھوٰی" (النجم : ۳) یعنی وہ خواہشِ نفس سے (کے ساتھ) ــ بات نہیں کرتا" (۷) "علیٰ" بنی "کے خلاف" والا مفہوم مثلاً " ومن یبخلْ فانما یبخلُ عن نفسہ

(محمد: ۳۸) " یعنی جو بخل کرے گا تو اپنے ہی خلاف کرے گا"۔

(۸) " مِنْ " یعنی " کی طرف سے " کے معنی میں ۔ جیسے (التوبۃ : ۱۰۴ میں) " یقبل التوبۃ عَنْ عبادہ " (وہ اپنے بندوں کی طرف سے توبہ قبول کرتا ہے) ۔ " عَنْ " کے یہ وہ مفہوم ہیں جن کی مثالیں قرآن کریم میں بھی مل جاتی ہیں ۔ اور یہ آئندہ ہمارے سامنے آئیں گی ۔ اوپر " عن " کے مختلف ترجموں کو خط کشیدہ کر دیا گیا ہے ان کو ذہن میں رکھیے ۔ اس کے علاوہ یہ (عن) بہت سے افعال کے ساتھ بطور " صلہ " استعمال ہوتا ہے اور اس کے محاوراتی استعمال تو بہت ہیں مثلاً " اِلَیكَ عَنِّی " کا مطلب ہے ۔ " مجھ سے دور رہو " اور " عَنْ آخِرِھِم " کا مطلب ہے " وہ سارے کے سارے ہی " ۔ عَنْ کے مزید استعمالات ۔ (عربی سیکھنے کے لئے) کسی اچھی ڈکشنری میں دیکھے جا سکتے ہیں اگرچہ اس قسم کے استعمالات قرآن میں نہیں آئے ۔

● زیرِ مطالعہ آیت میں (عَنْھَا کا) " عَنْ " فعل " اَزَلَّ " کے ساتھ بطور صلہ آیا ہے جس کا اوپر ۲:۲۶:۱(۱) میں ذکر کیا گیا ہے ۔ (جس چیز سے ہٹانے کا ذکر ہو اس پر " عَنْ " آتا ہے) اس طرح " ازلّھما...... عَنْھَا " کا ترجمہ ہوگا " ان دونوں کو پھسلا دیا ...... (نے) اس (جنت) سے " اس صورت میں " عنھا " کی ضمیر " جنۃ " کے لیے ہے جس کا ذکر اوپر آیت ۳۵ ، (۲: ۲۵) میں آیا ہے ۔

● اور چونکہ " عَنْ " کے ایک معنی تعلیل (کی وجہ سے) کے بھی ہوتے ہیں ۔ اس لیے بعض مترجمین نے یہاں " عنھا " کا ترجمہ " اس (درخت) کی وجہ سے / کے باعث " بھی کیا ہے ۔ اس صورت میں ضمیر " ھا " کا مرجع " الشجرۃ " ہوگا (دیکھئے ۲:۲۵) تاہم اکثر نے " عنھا " کا ترجمہ اس سے ، اس جگہ سے ، وہاں سے " کے ساتھ ہی کیا ہے ۔ البتہ بعض

© rasailojaraid.c

سے ضمیر کی بجائے اسمِ ظاہر کے ساتھ ترجمہ "جنت سے" کر دیا ہے جو ایک معنیٰ مراد ہی ہو سکتا ہے ۔ جب کہ بصورتِ ضمیر کوئی اور مرجع مراد لینے کی گنجائش موجود رہتی ہے ۔

۲:۲۶:۱(۳) [فَاَخْرَجَهُمَا] اس میں تین کلمات ہیں ۔ "فاء (ف) بمعنی پس یا سو + اَخْرَجَ (اس نے نکال دیا) + هُمَا (اُن دونوں کو) ۔

اس میں سے فعل "اَخْرَجَ" کا مادہ "خ ر ج" اور وزن "اَفْعَلَ" ہے ۔ یعنی یہ اس مادہ سے باب اِفعال (اَخْرَجَ يُخْرِجُ اخراجًا ، نکالنا) سے فعل ماضی کا پہلا صیغہ ہے ۔ اس مادہ سے فعل مجرد اور مزید فیہ کے باب اِفعال کے معنی اور استعمال وغیرہ پر البقرہ : ۲۲ یعنی ۲:۱۶:۱(۱۰) میں بات ہو چکی ہے ۔ قرآن کریم میں فعل مجرد (خرج یخرج = نکلنا) سے افعال کے مختلف صیغے ۵۴ جگہ اور مصدر و اسماء مشتقہ کے بھی مختلف صیغے دس کے قریب مقامات پر وارد ہوئے ہیں ۔ اور باب اِفعال سے افعال کے صیغے سو سے زائد جگہ اور مصدر و مشتق اسماء بھی ۱۲ سے زائد جگہ آئے ہیں ۔ اس کے علاوہ اس مادہ (خرج) سے مزید فیہ کے باب استفعال سے بھی فعل کے چار صیغے آئے ہیں ۔ ان کے معنی وغیرہ پر اپنی جگہ بات ہو گی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

● "فَاَخرجهما" میں "اخرج" کے عام بنیادی معنی تو "نکالا یا نکال دیا" ہی ہیں ۔ تاہم بعض مترجمین نے مفہوم میں زور پیدا کرنے کے لیے "الگ کر دیا ، نکلوا دیا ، نکلوا چھوڑا اور نکلوا کر چھوڑا" سے ترجمہ کیا ہے "(نکلوانا" اس لیے کہ شیطان نے خود تو نہیں نکالا بلکہ نکالے جانے کا سبب بنا تھا) ان ترجموں میں اردو محاورے کا زور تو ضرور موجود ہے ۔ اور سیاق و سباق آیت (قصہ) کے لحاظ سے بھی مفہوم درست ہے ۔ تاہم یہ لفظی سے زیادہ تفسیری ترجمہ ہے ۔

۲:۲۶:۱(۴) [مِمَّا كَانَا فِيهِ] اس عبارت کے تینوں حصوں ("مِمَّا" "کانا" اور "فیہ") کی الگ الگ تشریح یوں ہے ۔

© rasailojaraid.com

(۱) "مِمَّا" دراصل "مِنْ" (میں سے) اور "مَا" (جو کہ) کا
مرکب ہے (دیکھئے البقرہ ۳ یعنی ۲:۲:۱(۵) میں) اس کا عام ترجمہ تو "اس
میں سے جو کہ/جس" بنتا ہے۔ البتہ بعض مترجمین نے "اس" اور "میں سے"
کے درمیان بعض تفسیری الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے مثلاً "اس (عزت و راحت)
میں سے جس" یا "اس (مزے) میں سے جو کہ" یا "اس (عیش و نشاط)
میں سے جس..." یا "اس (آرام) میں سے جس....." کی صورت میں —
اسی لیے بعض مترجمین نے زائد تفسیری الفاظ سے بچتے ہوئے اور "مَا"
میں بلحاظ سیاقِ عبارت کسی "جگہ" کا مفہوم دیکھ کر "مِنْ مَا" کا ترجمہ "وہاں
سے جہاں کہ" کی صورت میں کیا ہے۔ جبکہ بعض نے لفظی ترجمہ سے قریب
رہتے ہوئے "اس میں سے جس" کی صورت میں ہی رہنے دیا ہے۔

(۲) "كَانَا" کا مادہ "ک و ن" اور وزن اصلی "فَعَلَا" ہے۔
اس کی شکل اصلی "كَوَنَا" تھی جس میں "واو متحرکہ ماقبل مفتوح" الف میں
بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے۔ یہ اس مادہ سے فعل مجرد (کان یکون: ہونا)
سے فعل ماضی کا صیغہ تثنیہ مذکر ہے۔ "کان" کے باب معنی اور استعمال پر
البقرہ: ۱۰ یعنی ۲:۸:۱(۱۰) میں بات ہو چکی ہے۔

● اس طرح "کانا" کا ترجمہ ہوا "وہ دونوں تھے"۔ یہاں "کانا"
فعل مذکر اس لیے آیا ہے کہ یہ صیغہ تثنیہ آدم اور اس کی بیوی یعنی ایک مرد اور
ایک عورت کے لیے ہے۔ اور عربی زبان میں جب مذکر مؤنث ملے جلے مراد
ہوں تو اسم یا فعل کا صیغہ ہمیشہ مذکر والا آتا ہے۔ مثلاً کہیں گے "الرجلُ و
المرأةُ صالحانِ" (مرد اور عورت نیک ہیں) یا "الرجلُ والمرأةُ
ذَهَبا" (مرد اور عورت گئے)۔ [مندرجہ بالا آیات میں جہاں جہاں تثنیہ
مذکر کے صیغے مثلاً "کُلا"، "شئتما"، "لا تقربا"، "فتکونا"
آئے ہیں۔ وہ اسی قاعدے کے تحت آئے ہیں] اور اسی قاعدے سے

© rasailojaraid.com

کے مطابق قرآن کریم میں مَردوں کو بصیغہ جمع مذکر دیے گئے تمام احکام میں عورتیں بھی شامل سمجھی جاتی ہیں۔ جبکہ بصیغۂ جمع (یا واحد و تثنیہ) مؤنث بیان کردہ احکام صرف عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔ عربی زبان کا یہ اصول بہت سے قرآنی احکام کے فہم میں مدد دیتا ہے۔

قریباً تمام مترجمین نے یہاں "کانا" کا ترجمہ "وہ تھے" سے ہی کیا ہے۔ صرف ایک دو نے "رہتے تھے" کیا ہے جو مفہوم کے لحاظ سے درست سہی مگر اصل "لفظ" سے ذرا ہٹ کر ہے۔

(۲) "فِیْہِ" جو فِیْ (میں) اور "ہ" (اس) کا مرکب ہے، کا ترجمہ تو ہے "اس میں" مگر اس میں ضمیر "ہ" گزشتہ "مِمَّا" کے "ما" کے لیے ضمیر عائد ہے۔ اس لیے اس کا اردو ترجمہ "اس" کی بجائے "جس میں" ہوگا۔

● اس طرح اس پوری زیرِ مطالعہ عبارت (مِمَّا کانا فیہ) کا ترتیب وار لفظی ترجمہ بنتا ہے "اس میں سے جو کہ وہ دونوں تھے جس میں"۔ ذرا سلیس ترجمہ "اس میں سے جو کہ وہ دونوں تھے" اور بیشتر مترجمین نے یہی ترجمہ یا "جس میں تھے اس میں سے" اختیار کیا ہے۔ البتہ بعض نے "اس یا جس" اور "میں" کے درمیان بعض تفسیری کلمات (عزت و راحت، مزے، عیش و نشاط یا آرام وغیرہ) کا اضافہ کر ڈالا ہے جس پر تبصرہ اوپر گزرا ہے۔

[وَقُلْنَا] میں "وَ" بمعنی "اور" ہے اور "قُلْنَا" (ہم نے کہا) کے مادہ، وزن، باب، معنی اور اس میں ہونے والی تعلیل (قَوَلْنا سے قُلْنا) پر ابھی اوپر ۲:۲۵:۱(۱) میں اور اس سے پہلے البقرہ: ۸ یعنی ۲:۷:۱(۵) میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

۲:۲۶:۱(۵) [اِهْبِطُوْا] کا مادہ "ھ ب ط" اور وزن "اِفْعِلُوْا" ہے جس کا ابتدائی ہمزۃ الوصل پیچھے (قلنا کے ساتھ)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ملنے کی بناء پر تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے ۔ اس مادہ (ھبط) سے فعل مجرد "ھَبَطَ یَھبِطُ ھُبُوطاً (باب ضرب سے) کے بنیادی معنی "کسی اونچائی سے نشیب کی طرف جانا" ہیں ۔ جسے مختصراً "نیچے جانا، نیچے اترنا، لڑھک جانا" سے تعبیر کر سکتے ہیں ۔ اور یہ فعل جسمانی یا معنوی دونوں طرح کی "پستی" کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً "ھبط من الطائرۃ" (وہ ہوائی جہاز سے بذریعہ پیراشوٹ نیچے آیا) ـــ جدید عربی میں پیراشوٹ کو "مِھْبَطَۃٌ" "نیچے آنے کا آلہ) کہتے ہیں ـــ یا مثلاً "ھَبَطَ من منزلتہ" (وہ اپنے درجے سے نیچے گر گیا) ۔ پھر یہ فعل بطور محاورہ "کم ہونا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً "ھَبَطَ الثمنُ" (قیمت کم ہو گئی) یا "ھَبَطَتْ درجۃ الحرارۃ" (درجہ حرارت یعنی گرمی کم ہو گئی) ۔ تاہم اس قسم کے استعمالات قرآن میں نہیں آئے ۔

● بنیادی طور پر یہ (ھَبَطَ) فعل لازم ہے تاہم فعل "جاءَ" کی طرح کبھی "اترنے یا جانے کی جگہ کا ذکر اس کے ساتھ بطور مفعول بنفسہ (منصوب ہو کر) آتا ہے مثلاً "ھَبَطَ المکانَ" کے معنی "جگہ میں داخل ہونا یا جا رہنا" ہوتے ہیں اور "ھَبَطَ السوق" "بازار میں آنا" کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ کبھی یہ بطور فعل متعدی بھی آتا ہے اور اس کے معنی "اتارنا، نیچے لے جانا، کم کرنا" ہوتے ہیں مثلاً کہہ سکتے ہیں "ھبط الثمنَ" (اس نے قیمت کم کر دی) تاہم قرآن کریم میں اس فعل کا بطور متعدی اس طرح کا استعمال بھی کہیں نہیں آیا ۔

● قرآن کریم میں اس فعل سے ماضی، مضارع، امر وغیرہ کے مختلف صیغے کل آٹھ جگہ آئے ہیں ۔ اور ہر جگہ اس کا استعمال بطور فعل لازم یعنی "اتر جانا، نیچے جانا" یا صرف "چلے جانا" کے معنی میں ہی آیا ہے ۔ اس کے مزید فیہ سے بھی قرآن کریم میں کوئی فعل یا اسم وغیرہ استعمال نہیں ہوا ۔ اگرچہ عربی زبان میں مزید فیہ کے بعض ابواب سے بھی افعال مختلف معنی کے لیے استعمال ہوتے ہیں ۔

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

زیرِ مطالعہ کلمہ "اھبطوا" اس فعل مجرد سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے یعنی "تم سب نیچے چلو یا چلے جاؤ"۔ صیغہ مذکر کے خطاب میں مؤنث بھی شامل ہے۔

۲:۲۶:۱(۶) [**بَعْضُكُمْ**] اس میں آخری "کُمْ" تو ضمیر مجرور بمعنی "تمہارا" ہے۔ اور کلمہ "بَعْضٌ" کا مادہ "ب ع ض" اور وزن "فَعْلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد بعض یبعض (مچھروں کا کاٹنا) اور بعِض یبعَض (مچھروں والا ہونا) پر البقرہ: ۲۶ یعنی ۲:۱۹:۱(۳) میں لفظ "بعوضۃ" کے ضمن میں بات ہوئی تھی۔

● اسی مادہ سے ایک فعل "بعّضَ الشَّیْءَ" (باب فتح سے) بمعنی "کسی چیز کو قسم بنانا" آتا ہے[1]۔ اور باب تفعیل سے "بعَّضَہ" کے معنی بھی "اس کے حصے بنا دیئے" ہوتے ہیں۔ تاہم اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی فعل قرآن کریم میں نہیں آیا۔ البتہ لفظ "بَعْضٌ" (جو ایک لحاظ سے اس فعل مجرد کا مصدر بھی ہے ــــ "کچھ حصہ" کوئی ایک یا چند ایک" (Some) کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ عموماً مضاف ہو کر آتا ہے اور اس کا مضاف الیہ ہمیشہ جمع اور معرفہ (عموماً معرف باللام یا کوئی اسم ضمیر) ہی ہوتا ہے۔ مثلاً "بعضُ الملوکِ" جس کا لفظی ترجمہ "بادشاہوں کے بعض (یا کوئی ایک یا چند ایک)" ہونا چاہیے مگر بامحاورہ اردو میں اس کا ترجمہ "بعض بادشاہ" ہی کیا جاتا ہے۔ بعض نحویوں کا قول ہے[2] کہ "بعض" پر لام تعریف نہیں آسکتا کیونکہ یہ ہمیشہ کسی اسم معرفہ کی طرف مضاف ہوتا ہے حتیٰ کہ جب مضاف نہ بھی ہو تو بھی ایک طرح سے اس کا مضاف الیہ محذوف ہوتا ہے یا سمجھا جاتا ہے۔

● اس طرح زیرِ مطالعہ ترکیب (بعضکم) کا بلحاظ اضافت ترجمہ "تم کا

---

[1] المعجم الوسیط تحت مادہ "بعض"۔ [2] اگلا صفحہ ملاحظہ فرمائیں

© rasailojaraid.com

کوئی" یا "تم سے کے چند" ہونا چاہیے۔ جسے اردو محاورہ کے مطابق "تم میں سے بعض (یا کوئی یا چند)" کہیں گے۔ اس لفظ (بعض) کا عربی استعمال بڑی حد تک انگریزی لفظ Some کی طرح ہے جو ضمائر کے ساتھ تو مضاف ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے "Some of you" میں ہے۔

"بعض" سے مراد دراصل کسی چیز کا کچھ حصہ (یعنی اس کے اَبعاض میں سے ایک) ہوتا ہے زیادہ ہو یا کم۔ اس لیے "بعض" واحد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور جمع کے لیے بھی۔ اس طرح "بعضُکم" کا ترجمہ "تم میں سے کوئی ایک" بھی ہو سکتا ہے اور "تم میں سے چند یا کچھ" بھی۔ سیاق و سباقِ عبارت سے "بعض" کے لیے واحد یا جمع کے معنی کا تعین ہو سکتا ہے۔ زیر مطالعہ آیت میں بظاہر یہ (بعض) بمعنی جمع ہی آیا ہے یعنی "تمہارے بعض یا بعضے" کی صورت میں اور قریباً تمام ہی مترجمین نے جمع کے مفہوم میں ہی ترجمہ کیا ہے۔ غالباً صرف ایک مترجم نے بصورت واحد (ایک تمہارا) ترجمہ کیا ہے۔ تاہم اس کا بامحاورہ ترجمہ اگلے مرکب (لبعض) کے ساتھ مل کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ ہم ابھی بیان کریں گے۔

[لِبَعْضٍ] میں "لام" (لِ) اضافت یعنی "کا، کے، کی" کے معنی میں آیا ہے جیسے نکرہ مضاف میں کہتے ہیں "ابنٌ لَہٗ" (اس کا ایک بیٹا) یا جیسے جملہ "لَہٗ ابنٌ" (اس کا ایک بیٹا ہے) میں ہے۔ اس طرح "لِبَعْضٍ" کا مطلب ہوا "بعض یا کسی کا" [اوپر ہم نے بیان کیا ہے کہ "للبعض" کہنا درست نہیں ہے۔ دراصل "لبعضٍ" "لِبَعْضِکم" کی جگہ آیا ہے یعنی اس کی تنوین اضافت کے عوض میں آئی ہے جسے تنوینِ عوض بھی کہتے ہیں]

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس پر مزید بحث اور فریقین کے دلائل کے لیے کسی اچھی معجم (ڈکشنری) کی طرف رجوع کریں۔ ویسے "البستان" میں بھی اس پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے۔

© rasailojaraid.

● اس طرح اس ترکیب " بعضُکم لبعضٍ " کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے " تمہارا کوئی ایک / یا تمہارے بعض (چند) کسی بعض (ایک یا چند) کے "۔ پھر اس کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ ہو گا " تم (باہم) ایک دوسرے کے " یا " تم (آپس میں) ایک دوسرے کے " ___ اور بیشتر مترجمین نے یہی بامحاورہ ترجمہ اختیار کیا ہے۔

۲:۲۶:۱ (۷) [عَدُوٌّ] کا مادہ " ع د و " اور وزن اصلی " فَعُولٌ " ہے اس کی اصل صورت " عَدُوْوٌ " تھی جس میں ساکن اور متحرک واو کے مُدغم ہونے سے " تشدید " پیدا ہوئی ہے۔

اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد " عدا یَعدُو (دراصل عدَوَ یَعْدُوُ) عدواً " (باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی تو ہیں: " دوڑنا، دوڑ لگانا یا دوڑتے جانا " ___ پھر اس سے اس فعل میں " (کسی حد سے) بڑھ جانا، تجاوز کر جانا " کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی اس کے ساتھ " علی " کا صلہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً " عدا علیہِ " کے معنی ہیں: " اس نے اس پر زیادتی کی (یعنی ظلَمہ)۔ اسی طرح " عن " کے صلہ کے ساتھ " عدا عَنْہ " کے معنی ہیں: " اس سے آگے بڑھ گیا یا اسے چھوڑ دیا " ___ اور کبھی کسی صلہ کے بغیر اپنے اصل معنی (حد سے بڑھنا) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

● قرآن کریم میں یہ فعل مجرد صلہ کے بغیر دو جگہ (النساء: ۱۵۴ اور الاعراف: ۱۶۳) اور " عَنْ " کے صلہ کے ساتھ بھی ایک جگہ (الکھف: ۲۸) استعمال ہوا ہے۔ ___ مگر " علی " کے صلہ کے ساتھ کہیں نہیں آیا۔ اور مزید فیہ کے بعض ابواب (مثلاً مفاعلہ، تفعّل اور افتعال) سے بھی افعال کے مختلف صیغے بیس کے قریب مقامات پر آئے ہیں۔ اور مشتق و جامد اسماء اور مصادر ساٹھ سے زیادہ جگہ وارد ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

● زیرِ مطالعہ لفظ (عـدوّ) اس مادہ (ع د و) سے بظاہر اسم مبالغہ کا ایک صیغہ ہے یعنی بہت زیادہ حد سے گزر جانے والا۔ تاہم یہ بطور اسم صفت استعمال نہیں ہوتا (جیسا کہ اسمائے مبالغہ عموماً استعمال ہو سکتے ہیں)۔ اس کا اردو ترجمہ "دشمن" ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ واحد جمع اور مذکر مؤنث کے لیے یکساں رہتا ہے یعنی "هُوَ عَدُوٌّ / وهم عدُوٌّ / وهی عـدُوٌّ" کہہ سکتے ہیں البتہ تثنیہ کے لیے "عدوّانِ" اور کبھی مؤنث کے لیے "عدوّةٌ" بھی استعمال ہوتا ہے (قرآن کریم میں نہ تثنیہ کا صیغہ آیا ہے نہ مؤنث کا)۔ اور اس کی جمع مکسر "اَعْدَاءٌ" ہے جو قرآن کریم میں بھی استعمال ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں لفظ "عدوّ" ۴۴ جگہ (واحد اور جمع دونوں معنی میں) اور لفظ "اعداء" ۱۸ جگہ استعمال ہوا ہے۔ دشمنی کے لیے عربی میں لفظ "عداوة" ہے (اور یہ بھی قرآن میں معرفہ نکرہ کل چھ دفعہ آیا ہے)۔ اور "دشمنی رکھنا یا کرنا" کے لیے فعل باب مفاعلہ سے "عادٰی یُعادِی" قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ یہ سب چیزیں اپنے اپنے موقع پر زیر بحث آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ] یہ دراصل پانچ کلمات (حروف اور اسماء) کا مرکب ہے یعنی "وَ" (اور) + "لِ" (کا یا کے لیے) + "کُمْ" (تمہارے، تمہارا) + "فی" (میں) + "الارض" (زمین)۔ ان سب کلمات کے معانی اور استعمال پر پہلے بات ہو چکی ہے [اگر اب بھی ضرورت سمجھیں تو "وَ" کے لیے ۱:۲:۱ (۴) اور ۱:۷:۲ (۱) "لام (لِ)" کے لیے ۱:۴:۱ (۳) "کُمْ" (ضمیر منصوب و مجرور) کے لیے عربی گرامر کی کسی ابتدائی کتاب "فی" کے لیے ۱:۱۴:۲ (۴) اور "الارض" کے لیے ۱:۹:۲ (۲) کی طرف رجوع کیجئے] اس طرح اس عبارت (ولکم فی الارض) کا ترجمہ ہوگا "اور تمہارا / تمہارے لیے زمین میں"۔ اس کی مزید وضاحت باقی عبارت کے ساتھ حصہ "الاعراب" میں آئے گی۔

© rasailojaraid.com

۲ : ۲۶ : ۱ (۸) [مُسْتَقَرٌّ] کا مادہ "ق ر ر" اور وزن "مُسْتَفْعَلٌ" ہے یعنی دراصل "مُسْتَقْرَرٌ" (صیغۂ اسم مفعول جس کی وضاحت آگے آرہی ہے) تھا جس میں "راء مفتوحہ" کی حرکت فتحہ (ـَـ) ماقبل حرف ساکن (ق) کو دے کر دونوں "راء" مدغم ہو جاتی ہیں۔

اس مضاعف مادہ (ق ر ر) سے فعل مجرد "قَرَّ یَقِرُّ قَرَارًا (باب ضرب سے) آتا ہے تو اس کے معنی "(کسی جگہ) ٹک جانا، ٹھکانا پکڑنا، ٹھہر جانا" ہوتے ہیں۔ اور "قَرَّ یَقُرُّ قَرًّا (باب نصر سے اور فتح سے) آئے تو اس کے معنی "ٹھنڈا ہونا" ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے کچھ صیغے کل چار جگہ آئے ہیں اور ہر جگہ مؤخر الذکر معنی (ٹھنڈا ہونا) والے معنی کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ عربی میں تو اس فعل (قَرَّ یَقَرُّ) بعض اور معانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مذکورہ بالا (ٹھنڈا ہونا) والے معنی بھی حسی ٹھنڈک (مثلاً دن یا رات کا ٹھنڈا ہونا) اور معنوی ٹھنڈک (مثلاً خوشی۔ آنکھوں کی ٹھنڈک) دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں چاروں جگہ یہ صرف معنوی ٹھنڈک کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔

اس کے علاوہ اس مادہ سے مزید فیہ کے ابواب اِفعال اور استفعال سے بھی افعال کے کچھ صیغے پانچ جگہ اور اس مادہ سے متعدد اسماء مشتقہ وغیرہ کے مختلف صیغے ۲۷ جگہ قرآن کریم میں آئے ہیں۔ جن پر اپنے اپنے موقع پر بات ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ لفظ "مُسْتَقَرٌّ" اس مادہ (ق ر ر) سے باب استفعال کا صیغہ اسم المفعول ہے۔ باب استفعال سے اس کے فعل "اِسْتَقَرَّ یَسْتَقِرُّ اِسْتِقْرَارًا" کے معنی ہیں: کسی جگہ اچھی طرح ٹک جانا یا ٹھکانہ پا لینا" یہ فعل ویسے تو لازم ہے اور اس سے اسم المفعول کا صیغہ نہیں بننا چاہیے۔ تاہم چونکہ مزید فیہ میں اسم ظرف کے لیے بھی اسم مفعول ہی کا صیغہ استعمال ہوتا ہے اس لیے یہاں

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

" مستقَر " اسم ظرف کے طور پر آیا ہے جس کے معنی " ٹھکانا " یا " جائے قرار " بنتے ہیں ۔ ــــــ اور یہی صیغہ (اسم مفعول) مزید فیہ میں مصدر میمی کا کام بھی دیتا ہے ۔ اس لیے " مستقَر " کا ترجمہ " استقرار " کی طرح " ٹھکانہ پانا بھی ہو سکتا ہے ۔

۲:۳۶:۱(۹) [وَمَتَاعٌ] میں " وَ " تو عاطفہ بمعنی " اور " ہے ــــ اور لفظ " مَتَاعٌ " کا مادہ " م ت ع " اور وزن " فَعَالٌ " ہے ۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد " متَع یمتَع متُوعًا " (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے معنی : " دراز ہونا اور کمال کو پہنچنا ، عمدہ ہونا اور شدت اختیار کرنا " ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم میں اس فعل سے کوئی صیغہ کسی معنی میں بھی استعمال نہیں ہوا ۔ البتہ مزید فیہ کے ابواب تفعیل ، تفعّل اور استفعال سے مختلف افعال ۳۵ کے قریب مقامات پر آئے ہیں ۔ جن پر حسب موقع بات ہو گی ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

● زیر مطالعہ لفظ " مَتَاعٌ " اسی مادہ (متع) سے ماخوذ ایک اسم جامد ہے جو باب تفعّل کے مصدر " تَمَتُّع " (فائدہ اٹھانا) کے معنی بھی دیتا ہے اور مختلف ضروریات زندگی (روٹی کپڑا مکان سامان وغیرہ) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ، یعنی وہ تمام اشیاء جن سے انسان کچھ فائدہ اٹھاتا ہے ان کو استعمال کرتا ہے اور ان کے حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے ۔ اور اس سے مراد فانی اور ناپائدار قسم کا نفع اٹھانا ہوتا ہے یعنی چند روزہ استعمال کی اشیاء ۔ اس لیے " متاع " کے معنی " سامان " کے بھی ہوتے ہیں جس میں گھریلو سامان ، سامانِ تجارت اور سامانِ سفر سب شامل ہیں ۔ ــــ لفظ " متاع " مفرد مرکب مختلف صورتوں میں قرآن کریم کے اندر ۳۵ جگہ آیا ہے ۔ جن کا مطالعہ اس لفظ کے مختلف معانی سمجھنے میں بھی مدد دے گا ۔

© rasailojaraid.c

۲ : ۲۶ : ۱ (۱۰) [اِلیٰ حِیۡنٍ] یہ " اِلیٰ " (حرف الجر) اور "حِیۡن " (بمعنی وقت) کا مرکب ہے ۔ ان دونوں کلمات کی بناوٹ اور معنی و استعمال کی الگ الگ تفصیل یوں ہے :

● [اِلیٰ] مشہور حرف الجر ہے جو بلحاظ ساخت تین حروف " ا ل ی " پر مشتمل ہے ۔ اس مادہ (ا ل ی) سے اور مادہ " ا ل و " سے (جو باب سمع میں آکر " ا ل ی " کی طرح استعمال ہوتا ہے)۔ کچھ فعل (مجرد اور مزید فیہ) بھی استعمال ہوتے ہیں جن میں سے بعض قرآن کریم میں بھی (آگے چل کر ہمارے سامنے) آئیں گے ۔

● یہ حرف (الی) ہمیشہ (یعنی قرآن میں اور قرآن سے باہر بھی) اسی طرح (یعنی آخری " ی ") کے ساتھ لکھا جاتا ہے اگرچہ پڑھا الف کے ساتھ (" اِلاَ " کی طرح) جاتا ہے ۔ البتہ ضمیروں کے ساتھ یہ یائے لینہ کے ساتھ (بصورت " اِلَیۡ " پڑھا جاتا ہے ۔

● " الیٰ " کا اردو ترجمہ عموماً " تک کر لیا جاتا ہے ۔ تاہم بلحاظ استعمال یہ حسب موقع مختلف مفہوم دیتا ہے ۔ ان میں سے اہم استعمال حسب ذیل ہیں:

(۱) زیادہ تر یہ " انتہاء الغایہ " کے معنی دیتا ہے یعنی اس میں کسی وقت (زمان) یا جگہ (مکان) کی " حد تک " کا مفہوم ہوتا ہے ۔ گویا کسی سفر یا انتظار یا کسی حکم کی آخری زمانی یا مکانی حد کو ظاہر کرتا ہے ۔ جیسے " البقرہ : ۱۸۷ " میں " الی اللیل " (رات تک) اور " الاسراء : ۱ " میں " الی المسجد الاقصی " (مسجد اقصی تک) ۔ پھر اس میں اہل علم کے درمیان ایک مشہور بحث (اور اختلاف) یہ ہے کہ " الی " کے بعد بیان کردہ " وقت یا جگہ " کا کچھ حصہ بھی اس " الی " کے ذریعے بیان کردہ حد میں داخل سمجھا جائیگا یا وہ اس سے باہر سمجھا جائے گا ۔ ایک عام اصول یہ ہے کہ اگر " الی " کے بعد بیان کردہ چیز بھی اس سے پہلے والی چیز (وقت یا جگہ) کی ہی جنس سے ہو

© rasailojaraid.com

تو وہ (بعد والی چیز) بھی اسی پہلی چیز میں داخل سمجھی جائے گی ورنہ (غیر جنس ہونے کی صورت میں) اس سے خارج سمجھی جائے گی۔ بعض فقہاء اسی اصول پر روزے والے حکم " ثم اتموا الصیام الی اللیل " (البقرہ:۱۸۷) "رات کچھ بھی حصہ " کو روزہ کے حکم سے باہر سمجھتے ہیں اور وضو کے حکم میں " وایدیکم الی المرافق " (المائدہ : ۶) کے معنی میں " کہنیوں " کو بھی ہاتھوں کو دھونے کے حکم میں داخل سمجھتے ہیں۔

بہر حال اس (انتہاء الغایہ) یا " انجام مقصود " والے معنی کے لیے " اِلٰی " کا ترجمہ عموماً "...... تک " یا "..... کی طرف " کیا جاتا ہے

(۲) کبھی یہ (اِلٰی) مصاحبت یا معیت (ساتھ ہی واقع ہونا) یعنی " مَعَ " کے معنی دیتا ہے جیسے "..... الی اموالکم " (النساء : ۲) میں آیا ہے۔ اس صورت میں " اِلٰی " کا اردو ترجمہ "کے ساتھ (ملاکر) " کیا جائے گا اور کبھی اس کا ترجمہ "..... کے ساتھ (مل کر) " بھی کیا جاسکتا ہے جیسے "...... مَنْ انصاری اِلی اللہ " (الصف : ۱۴) میں آیا ہے۔ بہر حال دونوں جگہ " الی " کا مفہوم " مَعَ " والا ہے۔

(۳) کبھی " اِلی " بمعنی " عِنْدَ " استعمال ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا اردو ترجمہ "...... کے نزدیک " "...... کے پاس " یا "...... کے ہاں " کرنا ہی مناسب ہوتا ہے عموماً یہ معنی محبت یا بغض کے مضمون میں " الی " کے مجرور کی فاعلیت (بلحاظ بغض یا محبت) کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے " رَبِّ السِّجنُ احبُّ اِلَیَّ..... (یوسف : ۳۳) میں آیا ہے۔

(۴) کبھی یہ لام الجر " (لِ) " کے معنی دیتا ہے جس کا اردو ترجمہ حسب موقع "...... کے لیے " یا "..... کے حوالے (.... کے ہاتھ میں) " کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً " اذا قمتم الی الصلوۃ..... (المائدہ : ۶) میں یہ

© rasailojaraid.com

"......کے لیے" کے معنی میں ہے اور " والامر الیکِ (النحل: ۳۳)
میں "تیرے حوالے یا تیرے ہاتھ میں" کے معنی دیتا ہے۔

(۵) کبھی یہ "فی" (جارہ) کے معنی دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال "لیجمعنکم الی یوم القیامۃ" (النساء: ۸۷) میں ہے۔ یہاں "اِلی" کا ترجمہ "میں" ہی کیا جائے گا۔

● مندرجہ بالا استعمالات تو وہ ہیں جن کی مثالیں قرآن کریم میں بھی مل جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ "اِلیٰ" کے بعض خاص محاوراتی (idiomatic) استعمالات بھی ہیں جو اگرچہ قرآن مجید میں تو نہیں آئے مگر عربی دانی کے لئے ان کا جاننا لازمی نہیں تو مفید ضرور ہے لہٰذا ان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

● ازاجملہ یہ کہ "اِلی" بعض دفعہ اسم الفعل (بمعنی "امر") کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس میں بھی یہ کبھی "اُبْعُدْ" (دور ہو جا) اور کبھی "خُذْ" (یہ لو) کے معنی دیتا ہے مثلاً "اِلَیْکَ عَنِّی" کے معنی ہیں "مجھ سے دور رہو" اور "الیکَ الکتابَ" (یہ لو کتاب) اسی طرح "اِذھب الیکَ" (اپنے کام سے سروکار رکھو یعنی دوسرے میں ٹانگ نہ اڑاؤ) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

[حِیْنٍ] اس کا مادہ "ح ی ن" اور وزن "فِعْلٌ" ہے (عبارت میں یہ "الی" کی وجہ سے مجرور آیا ہے)۔

اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "حَانَ یَحِیْنُ حَیْنًا" (باب ضرب سے) استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی: "(کسی چیز کا وقت) قریب آلگنا یا ہو جانا" ہوتے ہیں مثلاً کہیں گے "حان وقت الصلوۃ" (نماز کا وقت ہو گیا) تاہم قرآن میں اس مادہ سے کوئی فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔

● لفظ "حِیْنٌ" کے معنی ہیں: "کچھ وقت، کچھ مدت" ۔ تھوڑی ہو یا زیادہ اور مختصر ہو یا طویل۔ اس طرح زیر مطالعہ مرکب "الی حین" کا

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com